مولانا محمد حنیف ندوی

دیہاتی زندگی کے ارتقا میں

علما اور ائمہ مساجد کا کردار

دیہاتی زندگی کے ارتقا میں علما اور ائمہ مساجد کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس موضوع پر اظہار خیال سے پہلے جن نکات پر غور ہونا چاہیے وہ یہ ہیں کہ اسلام زندگی کا کیا تصور پیش کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے زرعی ثقافت کو کس حد تک اہمیت دی ہے۔ زرعی انقلاب کیونکر لایا جاسکتا ہے اور علما اور ائمہ مساجد کا دیہات میں کیا درجہ ہے اور یہ کہ وہ کیا طریقے ہیں جن کو اپنانے سے ہم دیہاتی زندگی کو اپنانے اور سنوارنے میں علما اور ائمہ مساجد کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اسلام جس نظامِ حیات یا تصور کو پیش کرتا ہے یہ ایک وسیع تر مضمون ہے اور ایک مستقل نگاہِ تحقیق چاہتا ہے۔ یہاں یہ سمجھ لینا کافی ہوگا کہ وہ کون سے حدود و امتیازات ہیں جو اس کو دوسرے مذاہب سے جدا کرتے ہیں۔ مذاہب عالم کو دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو روحانی تقاضوں پر زیادہ زور دیتی ہے اور جسم و جان کے فطری تقاضوں سے نہ صرف اغماض کرتی ہے بلکہ ان کو حقیر سمجھتی اور ناقابلِ اعتنا قرار دیتی ہے۔ دنیا اور اس عالمِ حسین کے تقاضوں سے اظہارِ نفرت کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ فکر و عمل کی ساری توجہ، ساری توانائی اور سرگرمیوں کو صرف باطن کے چمکانے اور اجاگر کرنے پر مرکوز کر دیا جائے۔ مذہب کے اس تصور سے بلاشبہ کچھ کردار اُبھرے۔ سیرت و عمل کے کچھ گوشے سنورے اور قلب و روح کی اقدار کا بول بالا ہوا لیکن بحیثیتِ مجموعی اس سے انسانی زندگی کو جو عظیم نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ اس سے رہبانیت بڑھی۔ ریاکاری کے داعیوں میں اضافہ ہوا اور تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے قافلے نہ صرف رک گئے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منزلِ مقصود کے شعور و احساس سے دور ہو گئے۔

مذہب کی دوسری قسم وہ ہے جس نے زیادہ تر مادیت کی جلوہ فرمائیوں ہی سے سروکار رکھا اور صرف اسی عالم کو توجہ و التفات کا محور گردانا اور اسی عارضی و عاجل زندگی کے لیے عقیدہ و عمل کے بوقلموں نقشے ترتیب دے دیئے - اس سے یہ تو ہوا کہ جسم و ظاہر کے تقاضوں نے اہمیت حاصل کرلی، زندگی کی گھٹن دور ہوئی اور خرد و عقل کی نشاط آفرینیوں کو ایک وسیع تر میدان ملا - لیکن ظاہر کے اس نکھار کے ساتھ کچھ تاریکیاں بھی آئیں - اس تصور کے ارتقا سے سب سے بڑا نقصان انسان کو یہ پہنچا کہ تہذیب و تمدن کے داعیوں نے روح و باطن کی تابش و ضو سے محرومی اختیار کی اور انسان جس کو پوری نوع انسانی کے لیے درد آشنا ہونا چاہیے تھا - نسبتاً زیادہ خود غرض اور زیادہ سطحیت پسند ہو گیا -

اسلام کی راہ ان دونوں سے الگ توازن و اعتدال کی راہ ہے - اس میں جہاں اصلاح باطن کا خیال رکھا گیا ہے اور روح و معنی کے تقاضوں کا اہتمام کیا گیا ہے - وہاں جسم کی فطری خواہشات کا احترام بھی بدرجہ اتم موجود ہے - اس طرح اس میں جہاں زندگی کی وسعتوں کو عقبیٰ و آخرت تک پھیلا دیا گیا ہے - وہاں اس چیلنج کو بھی قبول کیا گیا ہے جو اس دنیا میں رہنے کی وجہ سے ابھرتا اور پیدا ہوتا ہے - دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے اپنے دامن فکر میں ان تمام برکات اور سعادتوں کو سمیٹ رکھا ہے جن کو یہ دو مختلف انواع نظریات جنم دیتے اور پیش کرتے ہیں یہ دل کا مذہب بھی ہے اور ذہن و فکر کا بھی - اس سے ایک فرد بھی کسب ضیا کرتا ہے اور پورا معاشرہ بھی - یعنی یہ وہ اکسیر ہے جس میں دین و دنیا کے فوائد جمع ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہوتی ہو - جن سے جہل و نادانی کی ظلمتیں چھٹتی ہوں - افلاس دور ہوتا ہو، احتیاج کے دروازے بند ہوتے ہوں اور انسانی بستیاں اتحاد و تعاون اور ہمدردی کے جذبات سے مالا مال ہوتی ہوں اسلامی نقطۂ نظر سے زندگی کا کوئی گوشہ اور دائرہ ایسا نہیں جس میں رہ کر انسان اپنی بے لوث خدمت، انتھک محنت اور غیر معمولی اخلاص و ایمانداری سے تقرب الی اللہ کی منزلوں تک رسائی حاصل نہ کر سکے - چنانچہ فرض کیجیے ایک شخص اپنے کاروبار میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کا احترام کرتا ہے - اپنے دفتر میں بیٹھ کر ایمانداری سے مفوضہ فرائض انجام دیتا ہے اپنے کھیت کو خلق اللہ کے لیے سنوارتا ہے اور گاؤں کی ترقی میں اس بنا پر حصہ لیتا ہے کہ اس

سے نہ صرف اس کی اپنی زندگی ہی کامیابی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس طرح اجر و ثواب کا استحقاق پیدا ہوجاتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کی یہ تمام کوششیں درجہ قبولیت سے ہم کنار نہ ہوں۔ قرآن حکیم میں ہے:- "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ"۔ کہ جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی وہ اس کو بارآور ہوتے ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ یہاں یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن کی اصطلاح میں نیکی یا خیر کا "اطلاق" صرف دینی نیکی ہی پر نہیں ہوتا۔ اس کا اطلاق صرف عبادات اور رسوم و شعائر ہی کی حد تک سمٹا ہوا نہیں بلکہ اس کی وسعتیں عمل کی ہر اس شکل کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہیں جس سے انسانیت کو کوئی فائدہ یا منفعت حاصل ہو سکے۔

بحث کا دوسرا نقطہ جو تشریح طلب ہے وہ یہ ہے کہ آیا قرآن حکیم نے زرعی زندگی سے تعرض کیا ہے۔ یہ سوال اس بنا پر خصوصیت سے اہمیت کا حامل ہے کہ جب ہم اسلامی تصور کی وسعتوں کو زندگی کے ہر گوشے پر پھیلا ہوا مانتے ہیں تو قدرتاً یہ سوال فکر و نظر کے سامنے آتا ہے کہ کیا اس میں ہماری زرعی زندگی کے بارے میں بھی تفصیلات پائی جاتی ہیں۔

آدمؑ و حوّا کے قصہ میں یہ لطیف نکتہ پنہاں ہے کہ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو ایسے حکیمانہ اسلوب سے پیش کیا ہے کہ اس میں منجملہ اور نکات و معارف کے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اخلاقی و تہذیبی اقدار جس سوتے سے پہلے پہل پھوٹتی ہیں وہ زرعی زندگی ہے یعنی لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے معنی جہاں یہ ہیں کہ آدمؑ و حوا اس درخت کے قریب نہ جائیں جس سے کہ انھیں روکا گیا ہے وہاں یہ بھی ہیں کہ آدم و حوا کا تعلق اس زرعی عہد کے آغاز سے ہے۔ جہاں امر و نہی کا سوال اوّل اوّل ابھرتا ہے اور اخلاق و قانون کے لیے ایسے ملے جلے اور ابتدائی ضابطے کی بنیاد پڑتی ہے جس سے آیندہ چل کر قانونِ شریعت اور اخلاق کے عظیم الشان ایوان تیار ہوتے ہیں۔ اس قصہ میں اس ابتدائی زرعی تہذیب کا تذکرہ ہے۔ اس کا ثبوت اس حقیقت سے ملتا ہے کہ قرآن نے صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ آدم و حوا تن ڈھانکنے کے لیے جو لباس پہنتے تھے وہ جنت کے پتوں سے ترتیب پذیر تھا۔ "وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ"۔ یعنی جب ان میں درخت کا پھل کھا لینے سے عریانی کا احساس پیدا ہوا تو

ستر چھپانے کے لیے یہ جنت کے پتے توڑ توڑ کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔

زرعی ثقافت نے انسانی فکر و ادب کو امثال و دلائل کا ایک تسلی بخش ذخیرہ بخشا ہے اور قرآن کریم نے بہ کمال حکمت و اعجاز اس ذخیرہ کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً جب قرآن حکیم لوگوں کے دلوں میں اس حقیقت کو اتارنا چاہتا ہے کہ صحیح دعوت اور صحیح پیغام کی پہچان یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنے اندر منطقی استواری لیے ہوئے ہو یعنی اس کی جڑیں دلیل و عقل کی زمین میں گڑی ہوں اور دوسری طرف وہ نتیجہ خیز بھی ہو تو وہ اس کو یوں بیان کرتا ہے:

"أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا"

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ہے۔ صحیح بات ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں ہوں اور جو اپنے رب کے حکم سے بروقت پھل لاتا اور میوہ دیتا ہے۔

اس طرح قرآن حکیم جب حشر و نشر کے اسرار سمجھاتا ہے اور یہ کہنا چاہتا ہے کہ موت سے زیست وحیات کا رشتہ بالکل ہی منقطع نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ قیامت کے روز سب کو زندگی سے بہرہ ور کر دے تو اس صورت میں بھی وہ حسن حکیمانہ مثال یا دلیل سے کام لیتا ہے۔ اس کا تعلق ہمارے روزمرہ کے زرعی تجربے سے ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيدِ۔ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ۔ رِزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ۔

جس کا مطلب یہ ہے۔ ہم نے آسمان سے بابرکت پانی اتارا اور اس سے باغ و بوستان اگائے اور کھیتی کا اناج اور قدآور کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔ یہ سب بندوں کی روزی کے لیے ہے۔ ہم نے بارش کے اس مبارک پانی سے مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑادی بس اس طرح قیامت کے روز زندہ ہو کر قبروں سے نکل پڑنا ہے

قرآن نے زرعی زندگی کو تہذیب انسانی اور اقدار حیات کی اصل قرار دیا ہے اور زرعی ثقافت

سے بالخصوص تعرض کیا ہے تو یہ بات سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ زندگی کی اس نوعیت کے ارتقا میں جسے ہم دیہاتی زندگی کے ارتقا سے تعبیر کرتے ہیں، علما اور ائمہ مساجد کیا کردار ادا کر سکتے ہیں دیہاتی زندگی کیا ہے اور اس کے ارتقا کا کیا مطلب ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں مسئلہ زیر بحث کو تین عنوانوں میں تقسیم کرنا پڑے گا:-

۱- دیہات کی زرعی زندگی اور اس کی اہمیت

۲- دیہات میں حفظانِ صحت اور صفائی کے تقاضے اور

۳- ابتدائی تعلیم کی اشاعت و فروغ۔

جن لوگوں کو پاکستان کے مسائل کا گہرا شعور و احساس ہے وہ جانتے ہیں کہ اس وقت ملک کے سامنے اولین اہمیت کا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی غذائی ضرورتوں کے معاملہ میں کیونکر خود مکتفی ہو سکتے ہیں اس وقت تک صورت حال یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں تقریباً ایک کروڑ تئیس لاکھ رقبہ ایسا ہے جس میں گندم کی کاشت کی جاتی ہے اور یہ کسی طرح بھی بہتالیس لاکھ ٹن سے زیادہ نہیں ہو پاتی ظاہر ہے کہ پاکستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے یہ مقدار ناکافی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی کہ جس میں قلب و ضمیر اور شعور و وجدان کی تبدیلی رونما نہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ہر انقلاب کے لیے چاہے وہ اجتماعی و ثقافتی ہو۔ چاہے سیاسی اور اقتصادی ہو۔ شرط اول یہ ہے کہ پہلے اس کی اہمیت کو دلوں میں اتارا جائے، اس کی تفصیلات کو قلب و ذہن کا جزو بنایا جائے اور اس کو اس رنگ میں پیش کیا جائے کہ گویا وہ ایک نصب العین ہے ایک مشن ہے اور ایسی چیز ہے کہ جس پر پورے ملک پوری ملت اور معاشرہ کی فلاح و بقا کا انحصار ہے یہی وہ ذہنی بیداری ہے جس سے کہ تگ و دو اور سعی و عمل میں جوش پیدا ہوتا ہے، مشن اور نصب العین سے محبت و وابستگی کے داعیے حرکت میں آتے ہیں۔ اور پوری قوم آپ سے ان ذرائع پر عمل پیرا ہونا شروع ہو جاتی ہے جن کو وہ اس سلسلہ میں ضروری اور مفید خیال کرتی ہے۔

انقلاب کے بارے میں قرآن حکیم کا یہ نظریہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو یہ ضروری ہو جانا

ہے کہ دیہات کے ارتقا سے دلچسپی رکھنے والے تمام ادارے کچھ ایسے خطوط پر کام کریں؛ اس طرح کا نقشہ ترتیب دیں جو اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مدد دے سکے۔ وہ کون سے خطوط ہیں اور سعی و فکر کا کونسا نقشہ ہے جس سے ہم اپنے ملک کے محنتی اور جفاکش کسانوں میں زرعی انقلاب کی روح پھونک سکتے ہیں اور ان میں ایسا جوش ایسا ولولہ اور لگن پیدا کر سکتے ہیں جو ان کے عمل و محنت کے داعیوں کو ابھار دے۔ اور ان کو زرعی ارتقا کے سائنٹیفک طریقوں کو اپنانے پر آسانی سے آمادہ کر دے۔ یہی وہ اشکال یا سوال ہے جس کو ہمیں آج کی اس صحبت میں غور و فکر کا موضوع ٹھہرانا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ کسانوں کی ذہنی تربیت کے لیے ہمیں ایسے ذرائع کی تلاش ہے جس کا ان سب سے قریب اور روزمرہ کا تعلق ہو اور وہ ذریعہ ہے علما اور ائمہ مساجد کا۔ یہ حضرات ملک کے کونے کونے اور چپہ چپہ میں تبلیغ و دعوت کے اہم فریضہ کو ادا کر رہے ہیں خصوصیت سے دیہات میں دین کی مشعلیں انھیں کے دم سے روشن ہیں۔ ان کا دیہات کے سب مسلمانوں سے جو قریبی تعلق ہے، اس کو ہر کوئی جانتا ہے۔ اس گروہ سے اگر کسی تنظیم کے تحت فائدہ اٹھایا جائے تو یہ اتنی بڑی قوت ثابت ہو سکتا ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس بنا پر ہماری اس سلسلہ میں تجویز یہ ہے کہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے کسان پیداوار کے جدید ترین اصولوں سے آگاہ ہوں۔ غذا کے معاملہ میں ہم خود کفیل ہوں اور ہمارے سرسبز و شاداب کھیت سونا اگائیں اور ہماری زرعی زندگی میں انقلاب آفریں رد و بدل واقع ہو تو ضروری ہے کہ ہم علما اور ائمہ مساجد کی اس سلسلہ میں خدمات حاصل کریں ان کے لیے ایسا تربیتی کورس مقرر کریں جو ان کو ایک طرف تو پیداوار بڑھانے کے جدید ترین ذرائع سے آگاہ کرے اور دوسری طرف ان میں یہ جذبہ پیدا کر سکے کہ توحید و سنت کی اشاعت کے پہلو بہ پہلو انھیں اس لگن کے ساتھ اپنے ملک میں اور اپنے دیہات میں کسانوں کی معاشی حالت سنوارنے اور پیداوار کی موجودہ شرح کو بڑھانے کے لیے انتھک محنت بھی کرنا ہے جس طرح کسان ہماری معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے علما اور ائمہ مساجد ہماری بہت بڑی دولت اور بڑی طاقت ہیں۔ یہ حضرات اگر اپنے لائحہ عمل میں یا روزمرہ کی مفوضہ دینی خدمات کے دائرہ میں ان چیزوں کو بھی داخل کر لیں اور اسلام نے مادی و روحانی زندگی میں جو حسین امتزاج پیدا کیا ہے۔

اس کی روح کو حقیقتاً سمجھ لیں تو آپ یقین جانیں ہم اپنے ملک کو چند ہی سالوں میں ترقی کے بامِ بلند تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں دو وجہ سے پُر امید ہیں۔ ایک تو اس بنا پر کہ اگر عیسائی مشنری ہسپتال قائم کر سکتے ہیں، تعلیمی ادارے چلا سکتے ہیں اور بڑے بڑے رفاہی کاموں کو عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے مترادف قرار دے سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے علما اور ائمہ مساجد اس نوع کے کام انجام نہ دے سکیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خدمات کی یہ نوعیت ہمارے علما کے لیے جانی بوجھی ہے۔ ان کی تاریخ ان کارناموں پر نازاں ہے۔ بغداد و قرطبہ اور مصر میں انھوں نے جن عظیم الشان تعلیمی اور تہذیبی اداروں کو اپنی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے رونق و جلا بخشی ہے۔ اُن سے کون واقف نہیں۔

دیہاتی زندگی کی ترقی کے لیے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں دو باتیں اور ضروری ہیں۔ حفظانِ صحت اور ابتدائی ضروری تعلیم۔ ان دونوں کے بارہ میں بھی ہمیں یہی کہنا ہے کہ علما اور ائمہ مساجد کے سوا اور کوئی تنظیم یا ادارہ ان کو آسانی سے کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ یہ کام علما اور ائمہ مساجد ہی کا ہے کہ جہاں یہ مساجد میں ابتدائی تعلیم کا اہتمام کریں وہاں لوگوں میں صاف ستھری زندگی کا شعور بھی بیدار کریں اور لوگوں کے دلوں پر اس حقیقت کو نقش کرنے کی کوشش کریں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اچھا لباس، اُجلے دیہات اور اجلی تہذیب و ثقافت نہ صرف اچھی صحت کے ضامن ہیں بلکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو قلب و ضمیر میں اچھے اور صحت مند جذبات کی تخلیق کرتی ہیں ٭

اسلام کا نظریۂ حیات

(از: خلیفہ عبد الحکیم)

خلیفہ صاحب کی انگریزی کتاب "اسلامک آئڈیالوجی" کا ترجمہ اسلامی نظریۂ حیات کی تشریح جدید انداز میں۔

صفحات ۵۰۶ — ۸ روپے

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ — لاہور